اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ساتھ سعودی حکومت کی برادری

سعودی عرب نے سب سے پہلے پاکستان کو تسلیم کیا۔ 1971ء کی تاریخی شکست پر شاہ فیصلؒ خوب روئے اور بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا۔ پاکستان کی سرزمین پر جب بھی سیلاب، زلزلہ جیسی آفات آئیں، سعودی عرب نے سب سے بڑھ کر گرانقدر برادرانہ امداد پیش کی۔ 1998ء میں ایٹمی دھماکوں پر سعودی عرب میں قومی سطح پر باقاعدہ جشن منایا گیا، حتیٰ کہ امریکہ وغیرہ اسلام دشمنوں نے اسے ''اسلامی بم'' کا نام دیا اور پاکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کردیں۔ اس نازک موقع پر سعودی عرب نے دو ارب ڈالر اور مفت تیل فراہم کر کے گرتی ہوئی پاکستانی معیشت کو سنبھالا دیا۔ ان تمام مواقع پر پاکستان کی حکومت، عوام اور میڈیا سب نے شکرگزاری کے پاکیزہ جذبات کے ساتھ پرخلوص دعائیں دیں اور خراج تحسین پیش کیا۔

حربِ خلیج کے دوران بعض حاسد عناصر نے پاک سعودی تعلقات میں رخنہ اندازی کی مذموم کوششیں کیں؛ لیکن سعودی قیادت کے خلوص نے عملاً حاسدوں کو ناکام ونامراد کردیا۔

اسی طرح 2012ء میں ڈیڑھ ارب ڈالر کی غیر مشروط امداد دینے پر پاکستانی الیکٹرانک میڈیا نے بعض غیر ملکی عناصر کی شہ پر منفی پروپیگنڈوں کے ذریعے شکوک وشبہات کا طوفان کھڑا کیا۔ اس غیر متوقع اقدام کو بداندیش قوتوں کی سازش سمجھ کر سعودی حکومت نے حرفِ شکایت زبان پر نہیں لایا، بلکہ صبر وتحمل کے ساتھ ﴿لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ کا پاکیزہ تأثر دکھایا۔ اور ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝﴾ کے مصداق خاموشی اپناتے ہوئے قرآنی اخلاق کی پاسداری کا ثبوت پیش کیا۔

ہم سعودی عرب کے یوم آزادی پر خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز، ولی عہد محمد بن سلمان، ارکانِ کابینہ اور عوام کو دل کی گہرائیوں سے **''مبارک باد''** پیش کرتے ہیں۔ نیز اپنے وطن کی کم ظرف میڈیا اور بداندیش تبصرہ نگاروں کی بے وفائی اور منفی پروپیگنڈوں پر معذرت بھی کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت حرمین شریفین کے مخلص خدام کی حکومت کو کتاب الٰہی وسنت نبوی پر کامل واکمل عمل کرنے اور عالم اسلام وعالم انسانیت کی خدمت جاری رکھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ بدنیت حاسدوں، منافقانہ پالیسی اختیار کرنے والوں اور تمام دشمنوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملائے۔ آمین

درس قرآن مجید

تراث رحمانی در فوائد قرآنی

ڈاکٹر محمد اسماعیل امین

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: ''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھر جیسے ہوئے یا اس سے بھی سخت، اور بیشک پتھروں میں سے بعض ایسا ہے جس سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں، اور بیشک ان میں سے بعض وہ ہے جو پھٹ جاتا ہے پس اس سے پانی نکلتا ہے، اور بیشک ان میں سے بعض یقیناً وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر

سابقہ آیتوں میں بنی اسرائیل میں گائے کے ذبح کرنے کا قصہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا، جس میں بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ظاہر ہوئی تھی، کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مردے کا زندہ ہونا دیکھ لیا، اس کی بات بھی سن لی۔ پھر بھی وہ اپنی کافرانہ سرکشی پر ڈٹے رہے اور اُن کے دل اِن آیاتِ الٰہیہ ومعجزاتِ نبوت کو دیکھ کر نرم ہونے کے بجائے سخت ترین ہو گئے۔

ان کے دلوں کی کیفیت کا نقشہ زیرِ تفسیر آیت میں انتہائی بلیغ انداز میں کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (ثُمَّ) حرفِ عطف ہے، جو تراخی یعنی ''بعد'' کا معنی ادا کرتا ہے۔ یعنی پھر، اس کے بعد۔ اور اسی معنی کی مزید تاکید ﴿مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ سے کر دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معجزانہ واقعے پر ان کے دل کچھ نرم ہو گئے تھے، لیکن یہ نرمی تادیر قائم نہ رہی۔ اور شامت اعمال نے ان میں پھر سنگدلی کو جنم دیا۔

﴿قَسَتْ﴾ قَسَا يَقْسُو ناقص واوی سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ہے قَسْوَة، جس کا ترجمہ ہے: موٹا ہونا، خشک اور سخت ہونا۔ اور ''دلوں کے سخت ہونے'' سے مراد نرمی، رحم اور خشوع کا ختم ہونا اور آیاتِ

الہیہ پر غور اور تفکر کی صلاحیت ختم ہو کر ان سے تاثیر اور عبرت نہ لینا ہے۔

﴿قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ سے مراد تمام بنی اسرائیل کے دل یا اس قاتل اور اس کے ورثاء کے دل ہیں؛ کیونکہ مقتول کے زندہ ہو کر قاتل کی نشاندہی کر کے اتنا بڑا معجزہ ظاہر ہونے کے باوجود بعد میں قاتل کے ورثاء نے اس حقیقت کا انکار کیا، جو ان کے ہاں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی۔

﴿مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد کیا ہے؟ اس میں تین آراء ہیں:

(۱) قصہ میں مردے کے زندہ ہونے کے بعد

(۲) مقتول کے زندہ ہو کر کلام کرنے اور اپنے قاتل کی نشاندہی کرنے کے بعد

(۳) اس سے پہلے جتنے واقعات بنی اسرائیل میں گزر چکے ہیں، ان تمام کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنایا گیا۔ طور پہاڑ کو ان کے سروں پر کھڑا کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ مقتول زندہ ہو کر بات کرنے لگا۔ یہ واقعات ایسے تھے، کہ اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی غور کرتے تو ان کے دل نرم ہو جاتے اور وعظ و نصیحت کے فوائد حاصل ہو جاتے۔ لیکن ان تمام واقعات کے باوجود ان کے دل سخت ہو گئے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے دلوں کی سختی کو "پتھر" سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ هِيَ سے مراد بنی اسرائیل کے دل ہیں۔

﴿كَالْحِجَارَةِ﴾ میں ک حرفِ تشبیہ ہے۔ حجارۃ، حَجَرٌ کی جمع ہے۔

﴿اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ میں قَسْوَة مذکورہ فعل قَسَتْ کا مصدر ہے۔ قیاسی طور پر فعل مجرد کے ابواب سے تفضیل کا صیغہ اسی فعل کے لفظ سے آتا ہے، یہاں زیادتی معنی کے لیے "اَقْسٰى" آ سکتا تھا؛ لیکن رب تعالیٰ نے اس کی جگہ اَشَدُّ کا لفظ استعمال فرمایا، تاکہ زیادہ تاکید اور مبالغہ کا معنی ادا ہو۔

﴿كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ "أَوْ" عربی زبان میں مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کلام الٰہی کے علاوہ میں ایک معنی "شک" بھی ہے۔ علمائے تفسیر کا اجماع ہے کہ یہاں شک کا معنی مراد نہیں۔

پھر یہاں "أَوْ" کے معنی میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

(۱) بمعنی "واو" یعنی ان کے دل پتھر کی طرح اور اس سے سخت تر ہو گئے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ میں بمعنی واو آیا ہے۔

(۲) بمعنیٰ ''بَــــــلْ'' ہے؛ یعنی ان کے دل پتھر کی طرح بلکہ اس سے بھی سخت ہوئے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○﴾، ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○﴾ میں بمعنیٰ ''بَل'' آیا ہے۔

(۳) مخاطب پر ابہام پیدا کرنے کے لیے آیا ہے، جیسا کہ أبو الأسود الدؤلی کے شعر میں ہے:

أُحِبُّ مُـحَـمَّـدًا حُبًّا شَدِيْـدًا — وَعَبَّـاسًـا وَحَـمْـزَةَ أَوْ عَلِـيًّا

فَـإِنْ يَّكُ حُبُّهُـمْ رُشْـدًا أُصِبْـهُ — وَلَسْـتُ بِـمُـخْـطِـئٍ إِنْ كَـانَ غَيًّـا

''حـمزة أو عليًا'' میں شاعر نے ابہام پیدا کرنے کے لیے ''أو'' استعمال کیا ہے، شک کی بنا پر نہیں۔ اسی لیے جب ان سے پوچھا گیا: کیا آپ کو شک ہے؟ تو انہوں نے شک کے احتمال کی نفی کرتے ہوئے بطورِ استشہاد یہ آیت کریمہ پیش کی: ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○﴾

(۴) ''تَـخـيِيـر'' کے لیے ہے، یعنی تمہیں اختیار ہے کہ ان کو پتھر سے تشبیہ دیں یا اس سے سخت تر چیز سے، دونوں طرح درست ہے۔ جیسا کہ کہا گیا: ''جَالِسِ الحسنؒ أو ابن سيرينؒ''

(۵) ''تنوِيع'' کے لیے آیا ہے، یعنی ان میں سے بعض کے دل پتھر کی طرح اور بعض کے دل اس سے بھی سخت تر ہو گئے یعنی سنگدلی میں ان کے دو طبقے ہوئے۔

(۶) ''شـک'' کے معنی میں ہے، لیکن یہ شک لوگوں کی نسبت سے ہے۔ یعنی اگر ان کے دلوں کی حالت دیکھیں تو تمہیں شک ہوگا کہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے سخت تر۔

(۷) ''تحقيق ما سبق'' مراد ہے۔ یعنی تمہارے دل پتھر سے زیادہ سخت نہ ہوں، تو پتھر کی طرح ضرور ہو گئے۔

شیخ ابن العثیمینؒ نے اسی معنی کو اور ''بَـل'' کے معنی کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ ابن جریرؒ نے پانچویں احتمال کو ترجیح دی ہے۔ آیت مبارکہ کے سیاق سے ''بَـلْ'' کا احتمال اقرب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پتھروں میں جو خیر اور نرمی پائی جاتی ہے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ ان کے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے زیادہ سخت ہو گئے؛ کیونکہ بعض پتھروں سے پانی بہتا ہے اور بعض اللہ کے خوف سے لڑھک آتے ہیں۔

﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ یہاں ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے؛ یعنی بعض پتھروں سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔ لَمَا میں لام تاکیدی ہے۔ یعنی لَلَّذِي۔ ﴿يَتَفَجَّرُ﴾ کا مصدر التَّفَجُّر ہے، یعنی پانی کا بکثرت پھوٹ

پڑنا اور بہ جانا۔اس کی تفسیر سورۃ البقرۃ (٦٠) میں گزر چکی ہے۔

﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ سے آخر تک کے جملے تعلیلیہ ہیں؛ یعنی ان کے دل پتھر سے سخت تر ہو گئے؛ کیونکہ پتھروں میں کچھ خیر کی چیزیں ہیں، اوران کے دلوں میں کوئی خیر نہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی نرمی کے بارے میں تین قسمیں بیان فرمائیں۔

﴿يَشَّقَّقُ﴾ اصل میں يَتَشَقَّقُ باب تفعیل سے ہے۔ت کو ش میں مدغم کیا گیا۔ایک اور قراءت يَتَشَقَّقُ بھی وارد ہوئی ہے۔تشقُّق' شقّ سے ہے، جو کسی چیز کے لمبائی یا چوڑائی میں پھٹنے کو کہتے ہیں۔تفجُّر کسی جگہ سے بڑا سوراخ نکلنے کو کہا جاتا ہے۔يتفجرا اور يشقق میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں زیادہ پانی نہروں کی شکل میں جاری ہوتا ہے، اور دوسرے میں تھوڑا سا پانی ہی نکلتا ہے۔

﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی بعض پتھر خوفِ الٰہی سے لڑھک آتے ہیں۔الهُبوط اوپر سے نیچے گرنے اور اترنے کو کہا جاتا ہے،جس کی وضاحت فرمانِ الٰہی ﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا﴾[البقرة ٣٦] میں گزر چکی ہے۔

﴿مِن﴾ سببیه ہے۔یعنی پتھر بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم رکھتے اور ذات باری تعالیٰ سے خوف محسوس کرتے ہیں؛ جبکہ تمہارے دل ان پتھروں سے زیادہ سخت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو عملاً قبول نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے "دلوں کی سختی" کو تمام بداعمالیوں کی جڑ اور بنیادی سبب قرار دیا۔اسی لیے بنی اسرائیل کے علماء ورہبان کے ساتھ آیاتِ الٰہیہ اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں بالخصوص نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ پر جھوٹ باندھنے والوں اور جھٹلانے والوں کو سخت وعید سنائی:

﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اس میں مَا نافیہ ہے۔اللہُ اس کا اسم اور ﴿بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ خبر ہے، جو ما کی وجہ سے اہل حجاز کے نزدیک محلاً منصوب ہے۔اس ما کو حجازیہ بھی کہا جاتا ہے۔﴿بغافلٍ﴾ میں ب تأکید کی ہے۔عمّا اصل میں عن + ما ہے اور ما مصدریہ ہے۔تقدیری کلام عن عَمَلِكُم ہے۔"غفلت" کسی چیز کو بھول کر چھوڑ دینا ہے۔یعنی اللہ تمہارے اعمالِ بد کو ہرگز بھولا ہوا نہیں، بلکہ تمہارے سارے کرتوت سے خوب باخبر ہے، تمہارے تمام چھوٹے بڑے اعمال کو مکمل شمار کر رکھا ہے؛ تمہیں صرف ایک مقررہ وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔جب مقررہ وقت پورا ہوگا تو تمہیں اپنی پکڑ اور گرفت میں لانے والا ہے۔[انظر التفاسير: الطبري، القرطبي، ابن كثير، ابن الجوزي، البغوي، ابن أبي حاتم، ابن عطية، الشوكاني، السعدي، إعراب القرآن للنحاس، ابن

العثيمين، بھتوي]

آیت کریمہ سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبر 1: آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کی سخت سرزنش اوران پر ملامت کی جارہی ہے کہ ان کے سامنے اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہونے کے باوجود اور اللہ پاک کی نعمتیں وافر طور پر پانے کے باوجود ان کے دل قبولیت حق اور اتباع رسول علیہ السلام کے لیے نرم نہ ہوئے؛ بلکہ اس کے برعکس سخت سے سخت تر ہوتے گئے۔ [ابن العثیمینؒ]

فائدہ نمبر 2: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ...... فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ﴾ دلوں کی سختی ایک معنوی اور غیر محسوس چیز ہے، جسے ٹھوس مادی چیز پتھر سے تشبیہ دی ہے۔ اور ''دل'' گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو ظاہری طور پر سخت نہیں ہوتا، بلکہ اس کے سخت ہونے سے مراد حق سے اعراض کرنا، تکبر کرنا ہے، جو کہ ایک معنوی امر ہے۔ یہ قرآن مجید کا بلیغ اور فصیح ترین اسلوبِ بیان ہے، کہ مسئلے کی وضاحت کے لیے معقول اور معنوی چیز سے تشبیہ دی جارہی ہے۔ [ابن العثیمینؒ]

فائدہ نمبر 3: زیر تفسیر آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کی ناکامی کا سبب ''دلوں کی سختی'' بیان کی گئی ہے، کیونکہ دل کی نرمی اور اصلاح سے باقی اعضاء وجوارح فاسد اور خراب ہونے سے بچتے ہیں۔ اس حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے خوب واضح فرمایا ہے: ''وإنَّ في الجسدِ مضغةً إذا صَلُحَتْ صلحَ الجسدُ كلُّه وإذا فسدتْ فسدَ الجسدُ كلهُ، ألا وهيَ القلبُ'' [صحيح البخاري ٥٢] اسی لیے دلوں کی سختی افراد اور امتوں کے لیے تباہ کن اور اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان میں اثر پذیری کی صلاحیت ختم اور قبولیت حق کی استعداد ناپید ہوگئی ہے۔ اس کے بعد اصلاح کی توقع کم اور مکمل تباہی کا اندیشہ زیادہ ہوجاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللهِ أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ ''جن کے دل اللہ تعالی کے ذکر سے سخت ہوں، ان کے لیے ہلاکت ہے، یہی لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہیں۔''

ہر مسلمان کو چاہیے کہ سنگدلی کے اسباب سے متنبہ رہے اور ان سے مکمل اجتناب کرے۔ زیر تفسیر آیت تک کی آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دل سخت ہونے کا اصل سبب اللہ تعالی اور اس کے رسولوں کی مخالفت تھی۔ [الطبري] اور نبی اکرم ﷺ نے بھی گناہ پر گناہ کرنے کو دلوں کی سختی اور سیاہی کا سبب قرار دیا ہے: ''إنّ العبدَ إذا أخطأ خطيئةً نُكِتتْ في قلبهِ نكتةٌ سوداءُ، فإذا هو نزعَ واستغفرَ وتابَ صُقِلَ قلبُه، وإنْ عادَ زِيدَ فيها حتى تعلوَ قلبَه، وهو ''الرّانُ'' الذي ذكرَ اللهُ: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ ''بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہےتو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ جب باز آ جائے ، معافی مانگے اور توبہ کر لے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر دوبارہ گناہ کرے تو داغ بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سیاہ داغ اس کے پورے دل پر غالب آ جاتا ہے۔ یہی وہ ''الران'' (زنگ) ہے، جس کا اللہ تعالی نے ذکر فرمایا: ''ہرگز نہیں! بلکہ زنگ بن کر چھا گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے۔'' [جامع الترمذي ٣٣٣٤ وحسنه الألباني]

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی سنگدلی کے اسباب میں عہد شکنی اور کتاب الہی میں تحریف کو خصوصی طور پر شمار فرمایا: ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ [المائدة ١٣]

اسی طرح عہد نبوت سے دوری اور علوم نبوت سے محرومی اور دنیاوی لذتوں میں غرق ہونا بھی دلوں کی سختی کا بڑا سبب ہے۔ فرمانِ ربانی ہے: ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ [الحديد ١٦] اللہ تعالی نے مؤمنوں کو ان اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا، جن پر لمبی مدت گزرنے کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے۔ ''مدت لمبی ہونے'' کی تفسیر میں دو مفہوم بیان ہوئے ہیں:

(ا): عہد نبوت سے دوری میں لمبا زمانہ گزر جانا۔

(ب): دنیا کی لذتوں اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی میں بہت عرصہ غرق رہنا۔

حرام خوری اور بکثرت ہنستے رہنا بھی دلوں کی سختی کے عام اسباب میں سے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے: ''لا تُكثِرِ الضَّحِكَ فإنّ كثرةَ الضِّحكِ تُميتُ القلبَ'' [سنن الترمذي ٢٣٠٥]

دلوں کی سختی کا علاج: دلوں کو نرم کرنے کا واحد طریقہ گناہوں سے مکمل توبہ کرنا، کثرت سے اللہ تعالی کا ذکر کرنا، قرآن مجید کا سننا، پڑھنا، اس کے مفاہیم پر غور وفکر کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝﴾ [الأنفال ٢]، ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [الزمر ٢٣]، ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ

الْحَقِّ﴾[الحديد ١٦]

فائدہ نمبر 4: ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر سخت ترین چیز ہے، جس کی سختی مثال میں بیان کی جاتی ہے۔ لوہا اگر چہ نہایت سخت ہوتا ہے، لیکن پتھر اس سے بھی سخت تر ہے، کیونکہ لوہا گرم ہوکر مڑتا، بلکہ پگھل جاتا ہے، جبکہ پتھر گرم ہوکر بھی مڑتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا۔ ﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ [البغوي، السعدي، ابن العثيمين]

فائدہ نمبر 5: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی نفسیات کا انکشاف کرایا کہ وہ سب سے زیادہ سنگ دل لوگ ہیں۔ اسی لیے انہیں مکر وفریب، دغا بازی، فساد مچانا اور دہشت گردی آباء واجداد سے وراثت میں ملی ہوئی ہے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں ظاہر ہو رہی ہیں، کہ انسانی جان اور آبرو کی تباہی میں سب سے زیادہ ان کا ہاتھ ہے۔ [الجزائري]

فائدہ نمبر 6: ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ سے قدرت کاملہ کا عظیم کرشمہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سخت پتھروں سے نہریں جاری کر دی ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوئے۔ [ابن العثيمينؒ]

فائدہ نمبر 7: اللہ تعالیٰ نے نافرمان اسرائیلیوں کے دلوں کو پتھر سے بھی زیادہ سخت قرار دیا، کیونکہ انہیں صحیح عقل وفہم عطا فرمائی، پھر انہیں بہت ساری نعمتوں سے نوازا۔ ان پر قدرت الٰہی کی نشانیاں ظاہر فرما دیں۔ ان تمام کے باوجود انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور آیات الٰہیہ کا انکار کیا۔ جبکہ پتھروں میں عقل وفہم کا ملکہ نہ ہونے کے باوجود ان سے نہریں پھوٹتی ہیں، وہ پھٹ جاتے ہیں اور خوفِ الٰہی کے باعث بلندیوں سے لڑھک آتے ہیں۔ اس لحاظ سے جمادات ان لوگوں سے زیادہ بہتر ثابت ہوئے۔ [الطبري، ابن العثيمينؒ]

اس مقام پر تین قسم کے پتھروں کے ذکر میں ترتیب نہایت لطیف اور افادۂ مقصود نہایت بلیغ انداز میں کیا گیا ہے۔ یعنی ان پتھروں میں تأثر اتنا قوی ہے جس سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں، جن سے اللہ کی مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔ ان یہودیوں کے دل ایسے بھی نہیں کہ مخلوقِ الٰہی کی مصیبت دیکھ کر پگھل جائیں۔ اور بعض پتھروں میں ان سے کم تأثر ہوتا ہے، جس سے کم نفع پہنچتا ہے۔ ان کے دل اس درجہ دوم کے پتھروں سے بھی سخت تر ہیں۔ اور بعض پتھروں میں اگر چہ اس درجہ سے کمتر اثر ہوتا ہے کہ اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں۔ لیکن ان یہودیوں کے

دل اس ضعیف تر درجہ کو بھی نہیں پہنچتے۔ غرض ان کی سختی اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کمتر ین درجہ انفعال کو بھی نہیں پا سکتے ۔[معارف القرآن]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی دو قسموں کے پتھروں میں تأثر ظاہری ہے، جس سے عام لوگ مستفید ہوتے ہیں، جبکہ آخری قسم کے پتھروں میں تأثر معنوی ہے۔ جبکہ یہودیوں کے دل ہر دو قسم کے تأثر سے محروم ہیں۔

فائدہ نمبر 8: نصوصِ شرعیہ میں الفاظ عموم کو جب تک تخصیص پر محمول کرنے کے لیے واضح قرینہ یا دلیل نہ ہو تو اسے عموم پر ہی محمول رکھنا اصل ہے۔ اسی طرح نصوص شریعت کے الفاظ کو حقیقی معانی پر محمول کرنا ضروری اور اصل ہے، الا یہ کہ مجازی معنی پر محمول کرنے کے لیے کوئی قرینہ ہو، صرف اس صورت میں ہی اسے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

زیر تفسیر آیت مبارکہ میں پہلے قاعدے کی وضاحت یہ ہے کہ ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ کو بعض مفسرین نے اس پتھر پر محمول کیا ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کے حکم سے عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ لیکن یہ رائے خلاف اصل ہے، کیونکہ اسی پتھر کی تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس لیے اسے عموم پر محمول ہی رکھا جائے گا۔ پس پتھروں سے نہروں کے جاری ہونے کا امکان قائم ہے اور لوگوں کے مشاہدات میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ کو بھی بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبے پر جلوۂ الٰہی سے کوہِ طور کے ریزہ ریزہ ہونے سے خاص قرار دیا ہے۔ یہ رائے بھی مرجوح ہے، کیونکہ اس کی تخصیص کے لیے کوئی دلیل نہیں، پس اسے بھی عموم پر محمول رکھا جائے گا۔ یہی اصل ہے اور جمہور مفسرین کا موقف بھی ہے۔

دوسرے قاعدے کی مثال یہ ہے کہ بعض مفسرین نے ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ میں خشیتِ الٰہی سے پتھر کے گرنے کو مجازی معنی پر محمول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سائے کا دائیں بائیں جھکنا مراد لیا ہے۔ اسی طرح بعض نے بادل سے اولے اور برف کا گرنا مراد لیا ہے۔ اور بعض نے اللہ کی خشیت کی نسبت پتھر کی طرف کرنے کو ''استعارہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ پتھر اللہ کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں گویا کہ وہ گر رہے ہوں۔ جیسا کہ دیوار کے لیے ''ارادہ'' بطور استعارہ ذکر کیا گیا: ﴿يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ [الکہف] جبکہ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا وغیرہ۔ اور بعض نے اللہ کی خشیت سے پتھر کے گرنے کی تأویل یوں کی ہے کہ اس سے مراد پتھر کی

خشیت نہیں، بلکہ پتھر خود دیکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی خشیت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص سخت پتھر کو دیکھے گا تو اس پتھر کے خالق کی قدرت پر غور کرے گا، یہ غور اس کے لیے خشیت الٰہی کا ذریعہ بن جائے گا۔

یہ ساری تأویلات مجازی معانی ہیں، جن پر محمول کرنے کے لیے کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اسی لیے جمہور محقق علماء نے انہیں باطل اور مرجوح قرار دیا ہے۔ [الطبري، القرطبي، ابن كثير، ابن عطية]

فائدہ نمبر 9: ﴿وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر حضرت ابن عباس ﷺ کے تلمیذ رشید مفسر قرآن حضرت مجاہدؒ سے صحیح سند سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کا تعلق پتھر کی تینوں قسموں سے ہے۔ ہر وہ پتھر جس سے نہریں جاری ہوتی ہیں یا پھٹ کر پانی نکلتا ہے یا لڑھک آتا ہے؛ سب خوفِ الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

[الطبري، التفسير الصحيح د/ حكمت بشير]

اگر کوئی عقل پرست یا فلسفہ کا مارا شخص یہ کہے کہ بے جان پتھر کیسے ڈرتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات حتیٰ کہ جمادات میں بھی اپنے خالق کے اوصافِ کمال کا شعور وادراک رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ تسبیح اور سجدوں کے ذریعے اپنے خالق ومالک کی عبادت بجالاتے ہیں؛ البتہ اس کی حقیقت وکیفیت کا علم ہم مکلّف لوگوں کو نہیں بخشا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ [بني اسرائيل ٤٤] ''اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔'' اور فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾ [النور ٤١] ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ پاک (وہ ذات ہے) اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے، ہر ایک نے یقیناً اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان لی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ سورۃ الحج [١٨] میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے لیے تمام آسمان والے اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، سارے جاندار اور بہت سے انسان بھی۔ اور بہت زیادہ وہ لوگ بھی جن پر عذاب ثابت ہو چکا، سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔''

سورۃ سبأ [۱۰] میں اللہ پاک نے پہاڑوں کو حکم فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تم سب بھی تسبیح پڑھا کرو۔

بلکہ سورۃ الأحزاب [۷۲] میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا۔''

اہل سنت والجماعت کا نظریہ واصول یہ ہے کہ ان تمام نصوصِ شرعیہ میں وارد جمادات اور غیر عاقل مخلوقات کی عبادات کے حقیقی معانی پر ایمان لانا واجب ہے۔[البغوي، ابن كثير، تهذيب اللغات للأزهري:(سبح)] مزید معلومات کے لیے التمہید لابن عبدالبرؒ [۵/ ۱۶ - ۲۰] کا مطالعہ کریں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے سامنے کنکریاں پڑی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے انہیں اپنے مبارک ہاتھ میں لیا، کنکریوں نے تسبیح پڑھنا شروع کی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو پھر تسبیح پڑھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو تسبیح پڑھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو تسبیح پڑھی۔ جب زمین پر رکھ دیں تو خاموش ہوگئیں۔[السنة لابن أبي عاصم ۲/ ۵۴۳ بسند صحيح] ارشادِ نبوی ہے: ''قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک تم یہود سے جنگ نہ کریں، حتیٰ کہ پتھر کہے گا: اے مسلمان! میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے، آؤ اسے قتل کردو۔'' [صحيح البخاري ۲۹۲۶]

ان واقعات میں پتھر کا انسان کے ساتھ قابل فہم کلام کرنا ثابت ہورہا ہے، جو ان کے شعور کی دلیل ہے۔

فائدہ نمبر 10: ﴿مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کمالِ عظمت کی دلیل ہے۔ ''خشیت'' اس خوف کو کہا جاتا ہے، جو علم کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ پس جسے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا جس قدر علم ہو، وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔[ابن العثيمين]

فائدہ نمبر 11: ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے کمال اور وسعت کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ ذات باری تعالیٰ کی ایک سلبی صفت پر دلالت کرتی ہے۔

''سلبی صفات'' وہ صفات ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی کی ہو۔ سلبی صفات دو حقائق پر مشتمل ہوتی ہیں: (ا) اس صفت کی نفی۔ (ب) مذکورہ صفت کے ضد اور عکس میں کمال کا اثبات۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں۔'' تو اس میں غفلت کی نفی ہے اور اس میں غفلت کے ضد یعنی